ایجنڈا2030 کا تنقیدی جائزہ

Abstract

Looking at the historical and political background, policies, objectives of UNESCO's 2030 agenda and intense criticism by world leaders, academic, political, social, economic experts and UN designates themselves illustrates that their policies are in no way in the interest of our national security, culture and social fabric. It will have an incredibly negative impact on our sovereignty and national and Islamic cultural identity. It will turn out to be a political and cultural suicide or equates giving oneself into socio-economic slavery of others.

خلاصہ:

یونیسکو2030 ایجنڈا کے تاریخی وسیاسی پس منظر، اس کی پالیسیوں، ایجنڈا کے مقاصد اور اس پر مختلف ممالک کے سربراہان، تعلیمی، سیاسی، معاشی اور سماجی ماہرین اور خود اقوام متحدہ کے مختلف شعبہ جات کے ذمہ داران کی طرف سے اٹھائے جانے والے سنگین اعتراضات اور خدشات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ ان پالیسیوں کا اجرا کسی بھی طرح سے ہماری ملکی سالمیت، ہماری تہذیب اور سماجی نظام کے حق میں نہیں۔ اس کے ہماری سالمیت اور قومی و اسلامی تہذیبی تشخص پر انتہائی منفی اثرات مرتب ہوں گے۔ بلکہ اس کا اجرا سیاسی اور تہذیبی خودکشی یا اپنے آپ کو دوسروں کی سماجی و معاشی غلامی میں دینے کے برابر ہے۔

کلیدی کلمات: 2030، یونسیکو، تہذیب، سافٹ پاور، تعلیم، اقداریں، خاندانی نظام اور قومی سالمیت۔

مقدمہ:

دنیا میں ایک پائیدار تبدیلی کے نام پر بنائی جانے والی اس پالیسی اور اس کے اصل مقاصد کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس پالیسی کے اعلان سے پہلے دنیا کے حالات کو سمجھیں اور دیکھیں کہ دنیا میں ایسی کون سی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں جن کی وجہ سے اس پالیسی کی ضرورت پیش آئی؟ دوسرے لفظوں میں عالمی سطح پر کون سا ایسا سماجی و سیاسی خلا وجود میں آیا جسے پر کرنے کے لئے ایک نئے عالمی نظام کی ضرورت محسوس کی گئی؟

مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے ماہرین اور اس 2030 کا تنقیدی جائزہ لینے والی تمام شخصیات اور صاحب رائے افراد کی یہ متفقہ نظر ہے کہ: اس پالیسی کا مقصد دنیا بھر میں ایک خاص قسم کی تبدیلی لانا ہے یا یوں کہا جائے کہ دنیا کے ممالک اور قوموں کو ایک نئی عالمی لبرل حکومت کے لیے تیار کرنا ہے اور نئی نسلوں کو مغرب کی لبرل، ضدِ انسانی و اخلاق کے منافی اقداروں پر استوار کرنا، نئے عالمی سماجی، معاشی و سیاسی نظام کے لیے ذہنی اور فکری طور پر آمادہ کرنا ہے۔

اس نئی عالمی حکومت یا نیو ورلڈ آرڈر کا خد وخال کیا ہو گا؟ اس کا سیاسی اور سماجی نظام کیا ہو گا؟ ان پالیسیوں کے نتیجے میں آنے والی تبدیلیوں کے فوائد کن نادیدہ و دیدہ طاقتوں کو حاصل ہونگے اور اس کے نقصانات دیگر تہذیبوں اور سیاسی نظاموں پر کس شکل میں ظاہر ہوں گے؟ اس کو سمجھنا ضروری ہے۔

پھر یہ کہ اس پالیسی کا نفاذ اور اجراء ہماری قومی سالمیت اور سماجی نظاموں کی ترقی و بہبود کا سبب بنے گی یا نہ ان کو اور مزید کمزور کریں گی؟

ان تمام سوالات کے جوابات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ چند اہم مسائل اور موضوعات کا علمی جائزہ لیا جائے۔

پہلا موضوع سماجی نظام اور اس میں تعلیم کا مقام و کردار ہے،

دوسرا اہم موضوع ۱۹۹۰ کے بعد دنیا میں پیدا ہونے والا سیاسی خلا ہے اور اسکو پر کرنے کیلیے پیش کیے گئے تہذیوں کے ٹکراو "CLASH OF CIVILIZATION" جیسے نظریات کا صحیح ادارک ہے،

تیسرا موضوع "سافٹ پاور اور اسکے ہتھیار" (SOFT POWER & ITS ARMS) ہے۔

چوتھا موضوع یا مسئلہ عالمی طاقتوں کے سیاسی و معاشی ایجنڈے اور 2030 کا باہمی تعلق ہے

پانچواں موضوع 2030 کے مقاصد، ان میں موجود ابہامات، اس پر اٹھائے جانے والے اعتراضات اور معترضین کے دلائل ہیں۔

1۔ سماجی نظام میں تعلیم کا مقام و کردار

قومیں تہذیب کے دامن میں پرورش پاتی ہیں، تہذیب ہی کے سائے میں زندہ رہتی ہیں اور اسی تہذیب کی بدولت اقوام عالم میں پہچانی جاتی ہیں۔ اور جب کسی قوم کی تہذیب مٹ جائے یا اسے مٹا دیا جائے تو وہ قومیں خود بخود ہلاک ہو جاتی ہیں چاہے اس کے افراد زندہ و تعداد میں کتنے زیادہ ہی کیوں نا ہوں۔ انکی زمانے میں کوئی شناخت نہیں ہوتی اور نہ ہی اقوام عالم میں ان کا کوئی ذکر ہوتا ہے بلکہ اس متروک یا مغلوب تہذیب کے لوگ نئ تہذیب کا حصہ بن جاتے ہیں - اگر کوئی تہذیب مضبوط ہو تو قوم کو زمین سے آسمان کی بلندیوں پر لے جاتی ہے۔ اور صدیوں کے بعد بھی بابل، موئن جو داڑو، یونان و مصر جیسی تہذیبی آثار ناپید قوموں کی عظمت کی گواہی دے رہی ہوتی ہیں۔

سیموئیل (samuel) نے تہذیب کی تعریف کچھ اسطرح کی ہے "تہذیب ایک ثقافتی وجود ہے۔ دیہات، خطے، نسلی گروہ، قومیتیں، مذہبی گروہ، سبھی ثقافتی فرق کی مختلف سطحوں پر الگ الگ ثقافت رکھتے ہیں۔[1] یہ وہ اجزاء ہیں جن سے ملکر ایک تہذیب وجود میں آتی ہے۔ ان عناصر کی ہماری اسلامی تہذیب میں ترکیب باالفاظ دیگر ہمارے سوشل سسٹم کی کیمسٹری کا صحیح ادراک انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ اس ترکیبی وجود کے عناصر کی شناخت کے بعد ہمارے لئے اس کی حفاظت آسان ہو جائے گی۔ ہم اس کو نقصان پہچانے والے داخلی مسائل یا بیرونی سازشوں یا عالمی حالات و سیاسی بیانیوں (POLITICAL NARRATIVES) میں تبدیلی کے نتیجے میں ہماری سالمیت کو درپیش مسائل کو بہتر طور پر سمجھنے اور انکے مناسب حل نکالنے میں مددگار ہو گی۔

جیسے کی ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہماری اسلامی تہذیب میں سب سے اہم عنصر مذہب کا ہے۔ اسلام ایک کامل ضابطہ حیات ہے۔ اس کا اپنا عالمی تصور یا (WORLD VIEW) ہے۔ جس کی رو سے زمین کا اصل حاکم اللہ تعالی ہے۔ جس نے انسان کو روئے زمین پر اپنا خلیفہ معین کیا۔ اور اسکی ہدایت کے لیے انبیاء اور انکے ساتھ انسانوں کی ہدایت، معاشروں میں عدل و انصاف کی برقراری کیلیے کتاب نازل کی جس میں ایک کامل سماجی نظام کے لیے ضروری حکومتی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی قوانین کو بیان فرمایا[2] اور انکی تکمیل و تفسیر کے لیے سنت و عقل کو بھی حجت قرار دیا۔

تہذیب جتنی اعلیٰ اخلاقیات اور فطرت کے ساتھ ساز گار ہو اتنا ہی اس قوم کا وقار بلند ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام کے مبعوث ہونے سے پہلے عرب بادیا نشین، غیر مہذب قوموں میں شمار کیے جاتے تھے۔ انکے پاس نا ہی حکومتی نظام تھا، نا ہی معاشرتی نظم کو بر قرار رکھنے والے قوانین اور نا ہی اعلیٰ اخلاقی اقداریں جیسے کہ امام علی علیہ السلام نے لوگوں کو اسلام کی عظمت سمجھانے کیلیے انکی بعثت رسول سے پہلے کی حالت زار کو یاد دلاتے ہوئے فرمایا "بعثت اس وقت ہوئی ہے جب لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جن سے دین کی رسی ٹوٹ چکی تھی۔ یقین کے ستون ہل گئے تھے۔ اصول میں شدید اختلاف تھا اور امور میں سخت انتشار۔ مشکلات سے نکلنے کے راستے تنگ و تاریک ہو گئے تھے۔ ہدایت گمنام تھی اور گمراہی بر سر عام۔، رحمان کی معصیت ہو رہی تھی اور شیطان کی نصرت' ایمان یکسر نظر انداز ہو گیا تھا' اس کے ستون گر گئے تھے اور آثار نا قابل شناخت ہو گئے تھے' راستے مٹ گئے تھے اور شاہر اہیں بے نشان ہو گئی تھیں۔ لوگ شیطان کی اطاعت میں اس کے راستے پر چل رہے تھے۔ یہ لوگ ایسے فتنوں میں مبتلا تھے جنہوں نے انہیں پیروں تلے روند دیا تھا اور سموں سے کچل دیا تھا اور خود اپنے پنجوں کے بل کھڑے ہو گئے تھے۔ یہ لوگ فتنوں میں حیران و سر گرداں اور جاہل و فریب خوردہ تھے۔ پروردگار نے انہیں اس گھر (مکہ) میں بھیجا جو بہترین مکان تھا لیکن بدترین ہمسائے۔ جن کی نیند بیداری تھی اور جن کا سرمہ آنسو۔ وہ سرزمین جہاں عالم کو لگام لگی ہوئی تھی اور جاہل محترم تھا"[3] لیکن اسلام نے آکر ان کو دنیا کی بہترین قوم بنا دیا جو دوسری قوموں کے لیے بھی نمونہ قرار پائی جس کو قرآن نے یوں فرمایا "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ"[4]۔

اسلام نے جس چیز سے اس غیر مہذب قوم کو مہذب ترین قوم میں بدل دیا وہ اس کا اعلیٰ فطریات اور عقلیات سے ہم آہنگ سماجی نظام تھا جس میں ایک جدید اور باکمال عالمی تہذیب کے تمام عائلی، سماجی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی اصول موجود تھے۔ یہ اسلامی تہذیب جہاں بھی گئی اس نے اس قوم کو شناخت بھی دی، عزت و سروری بھی، بر صغیر میں مسلمانوں کی ہزار سالہ اسلامی حکومت اسی تہذیب کا نتیجہ تھی، اسی تہذیب کی بدولت دو قومی نظریے نے جنم لیا جس نے برطانوی استعمار کے پنجوں میں جکڑی ہوئی قوم کو آزادی دلوائی، اس لیے پاکستان کے خمیر میں اسلامی تہذیب رچی ہوئی ہے۔ پاکستانیت کا وجود اسلامیت کے بغیر ادھورا بلکہ بے معنی ہے۔ پاکستان کی بقاء و ترقی کا حل بھی اسی تہذیب سے وابستہ ہے۔ اسلامی تہذیب کے خلاف ہر قسم کی سازش در واقع پاکستان کی سالمیت کے خلاف سازش ہے۔

تعلیمی نظام ہر تہذیب کا تولیدی عضو ہوتا ہے۔ تعلیم میں رسمی تعلیم اور علم، مہارت، اور رویوں کی غیر رسمی ترسیل دونوں شامل ہیں۔[5] قومی کاروان میں پرانے افراد بوڑھے ہو جاتے ہیں اور مر جاتے ہیں، اور ایک نئی نسل انکی جگہ لے لیتی ہے۔ لیکن اس قوم کی

ثقافت ایک زندہ وجود ہے جو اس قومی پیکر میں خون کی مانند جاری و ساری رہتی ہے۔ اس قومی ثقافت کی عمر افراد کی عمر سے بہت زیادہ طولانی ہوتی ہے کیونکہ یہ کئی نسلوں اور کئی صدیوں پر محیط ہوتی ہے اور اسکی طولانی عمر کا راز تعلیمی نظام میں ہے۔ یہی تعلیمی نظام ہے جو ایک نسل کے لوگوں کی راہ و رسم اور علم کو بعد کی نسلوں تک منتقل کرتا ہے۔ انسانی ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ ثقافت میں رد و بدل کا عمل جاری رہتا ہے، لیکن اس کے بنیادی اجزاء جیسے قومی اعتقادات و نظریات، مذہبی و سماجی مراسم، اخلاقی بنیادی اقدار اور طرز عمل کے نمونوں کا ایک قابل تسلسل عمل ہوتا ہے جو اسے دوسری ثقافتوں سے ممتاز کرتا ہے۔ جو چیز اس قومی و تہذیبی تسلسل کو یقینی بناتی ہے وہ اسکا اپنا تعلیمی نظام ہے جس کی تشکیل میں معاشی ضروریات کے ساتھ ساتھ تہذیبی امور کو ترجیحی بنیادوں پر فراہم کرنا ہے۔ اسی لیے تعلیمی ماہرین اس بات کے معترف ہیں کہ "یہ معاشرتی تبدیلی اور سماجی کنٹرول کا ایک طاقتور ذریعہ ہے"[6] اور اسی تعلیمی نظام کے ذریعے ایک قوم کی تہذیب کو بدل کر اسے اپنا تابع بنایا جاسکتا ہے۔ اسکی خودی کو بے خودی میں، طرز زندگی کو دوسروں کی تقلید، فیصلوں کو دوسروں کی مرضی میں ڈھالا جاسکتا ہے۔ یہی تعلیمی نظام کی خاصیت ہے۔ بقول وبر مارکس کے تعلیمی ادارے انسان ساز فیکٹریاں ہیں۔ ان میں اپنے مزاج و فکر کے انسان بنائے جاتے ہیں۔ اگر تعلیمی نصاب اپنی ثقافت کو چھوڑ کر دوسری تھذیب و ثقافت کی ترویج کرنے لگے تو اس ملک کی اپنی تھذیب نابود ھو جاتی ھیں، جو جو اسکول سسٹم اور تعلیمی نصاب میں اختلاف اور تنوع (DIVERSITY) بڑھتی جاتی ھے معاشرے میں لوگوں کے درمیان فکری اختلاف بڑھتا جاتا ھے اور قوم معاشرتی اعتبار سے طبقات اور سیاسی افکار کے لحاظ سے گروھوں اور جماعتوں میں بٹتے جاتے ہیں۔ جسکے نتیجے میں لوگوں کے درمیان موجود ایک قوم اور ایک تھذیب کا تصور جو کسی قوم کے اتحاد کی بنیادی شرط ھوتی ہے آھستہ آھستہ ختم ھو تا چلا جاتا ھے۔ ھر طبقہ اور جماعت اپنے طرز تفکر سے لائف اسٹائل اپناتا ہے اور اسی انداز سے معاشرے و ملک کے نظام کو چلانا چاہتا ہے۔ اس طرح ملک کے اندر ہمیشہ کیلئے نا ختم ہونے والا فکری اور تہذیبی تنازع کھڑا ہو جاتا ہے۔ نوجوان نسل پر اس تنازع کا اثر، شناختی بحران (Identical Issues) میں ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن نے ہمیں اسی چیز سے ہوشیار کیا ہے کہ مختلف افکار اور تہذیبوں کے پیچھے مت چلو متفرق ہو جاوگے ایک دوسرے سے جدا ہو جاوگے۔ "ولا تتبعوا السبل فتفرقوا"[7]۔ ہر شخص و گروہ اپنے مفادات کی فکر میں لگ جاتا ہے وطن سے محبت اور قوم کی خدمت کا جذبہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے. ایسی صورتحال میں ملک دشمن طاقتیں با آسانی سیاست دانوں، بانفوذ شخصیات اور اداروں میں مختلف بھانوں جیسے کبھی انسانی حقوق، عورتوں کے حقوق، سیاسی حمایت، تو کبھی مالی اور علمی و صنعتی ترقی میں مدد سے نفوذ پیدا کرلیتی ہیں اور انکے ذریعے اپنے مفادات حاصل کرتی ہیں. اور اگر ضرورت پڑے تو ان ہی کے ذریعے ملک میں سیاسی بحران اور دہشتگردی کے ذریعے ملک میں حرج و مرج پیدا کردیتی ہیں۔

مغرب کو اسکا بخوبی ادارک بھی ہے اور تجربہ بھی۔ جمیلہ علم الھدیٰ [8] جو بہشتی یونیورسٹی کی استاد اور تعلیم وتربیت کے موضوع پر کئی علمی کتابوں اور مقالات کی مصنفہ بھی ہیں، تعلیمی نصاب پر منعقد ہونے والی ورکشاپ میں اپنی گفتگو میں فرماتی ہیں "کالونیل دور(COLONISM) کی تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ ۔ سامراجی اور استعماری حکومتیں کسی بھی ملک پر اپناکنٹرول جمانے کے بعد سب سے پہلے ایسے مفت یاسستی تعلیم کا بندوبست کرتے تھے۔ جو انکی تہذیب کی عکاسی کرتا اور انہی کی زبان میں بناہوتا تھا۔ اس لیے جن جن ایشیائی ، عرب ،افریقی اور جنوبی امریکا کے ممالک میں برطانوی، فرانسیسی اور اطالوی (ITALIAN)استعماری حکومتوں نے اپنی کالونیاں بنائیں وہاں سب سے پہلے اپنی زبان میں تعلیمی نظام کو عام کیا۔ اس لیے اور آج بھی ان ممالک کے لوگ اپنی قومی زبان کے ساتھ ساتھ استعمار کی زبان بولتے ہیں اور انکے پولیٹکل ،سوشل سسٹم انہی استعماری اصولوں پر چل رہاہے۔ انکے لائف اسٹائل پر مغربی کلچر کے آثار نمایاں ہیں"

2۔مابعد سرد جنگ(Post-cold war era)

90ءکی دہائی میں سوویت یونین کی تحلیل اور سرد جنگ کے خاتمے سے دنیا میں ایک نیا سیاسی خلا پیدا ہوا جس نے مغربی بالخصوص امریکی مفکرین کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ اب دنیا کا نیا عالمی نظام کیسا ہونا چاہیے ۔ پرانے عالمی بیانیے (GLOBAL NARATTIVE) اب ناکارہ ہیں کیونکہ سوویت یونین ختم ہو چکا ہے اور دنیا کو ایک نئے یک قطبی(UNIPOLAR)نظام کی ضرورت ہے ۔ اس عالمی صورت کو مختلف عالمی سیاسی و سماجی ماہرین نے اپنی تصانیف اور تحقیقات میں منعکس کیاہے۔ سیمیول ہنٹنگٹن(Samuel Phillips Huntington) کے بقول "عالمی سیاست ایک نئے مرحلے میں داخل ہورہی ہے، اور دانشوروں نے "آخر یہ کیاہوگا؟" اس کے نظریہ کو پھیلانے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی "[9] اس بارے میں آرفرڈ(Alfred verdross) کچھ اسطرح اظہار خیال کرتے ہیں "ان حالات سے لگتاہے کہ اب دنیا ایک نئے بین الاقوامی قانون (سوشل سسٹم) کے لیے آمادہ ہے، ایک ایسا قانون جو سرد جنگ کے زمانے میں بنائے گئے قوانین سے مختلف ہو۔ جوناڈیوڈسن(Jonah Davidson)اس بارے میں اپنے مقالے میں فرماتی ہیں: کالڈور(Mary Kaldor1999)اور فوکیویاما(Francis Fukuyama2004) جیسے اسکالرز یہ سمجھتے ہیں کہ سوویت یونین کے خاتمے کے عالمی مسائل پر گہرے اثرات پڑے ہیں، جن میں نئے تنازعات اور سیکیورٹی کے مسائل شامل ہیں۔ [10]

یہ نیا نظام کیسا ہونا چاہیے ؟اس حوالے سے مفکرین نے مختلف نظریات پیش کئے جن میں سے ایک فوکویاماہیں جنہوں نے "تاریخ کا خاتمہ "(END OF HISTORY)کا نظریہ پیش کیاہے اس نظریے میں "انہوں نے لبرل جمہوریت کی حتمی فتح کا اعلان کیااور استدلال کیا کہ "یہ بنی نوع انسان کے نظریاتی ارتقاء اور انسانی حکومت کی آخری شکل کا حتمی نقطہ بن سکتا ہے اور اس طرح تاریخ کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔" اپنے مضمون میں ،انہوں نے یہ کہتے ہوئے لبرل ازم کی فتح کا جشن منایا کہ دوسرے تمام آئیڈیولوجیز پر، لبرل ریاستیں داخلی طور پر زیادہ مستحکم اور بین الاقوامی تعلقات میں زیادہ پر امن ہیں"[11]

انکا مدعا یہ ہے کہ دنیا میں اس وقت صرف ایک ہی انسانی نظام باقی ہے جس کے مطابق دنیا کو چلایا جا سکتا ہے اور یہ نظام لبرل ڈیموکریسی ہے یعنی ویسٹرن لبرل ڈیموکریسی(WESTERN LIBRAL DEMOCRACY)۔ مغربی تہذیب میں جدید دور کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کی صلاحیت ہے اور یہ بہترین سماجی و حکومتی نظام ہے جو دنیا کو ترقی دے سکتا ہے اور امنیت کا ضامن بن سکتا ہے لہذا دنیا کی باقی قوموں کو لبرل ڈیموکریسی قبول کرنی چاہیے اور ویسٹرن تہذیب (WESTERN CIVILIZATION)اپنالینی چاہیے۔

واضح سی بات ہے اس نظریے کا ایک ہی مقصد تھا کہ دنیا میں امریکی اجارہ داری(AMERICAN MONOPOLY) کو مضبوط کیا جائے حقیقت میں یہ پرانے کولونائزیشن(COLONIZATION) کی ایک نئی عالمی اور گلوبلائز صورت ہے جو موجودہ حالات اور مسائل کی وجہ سے سامنے آئی ہے لیکن جلد ہی خود امریکی مفکرین کو اس بات کا احساس ہو گیا کہ نظریہ اتنا جاندار نہیں بقول سیلسن اونر(Selcen oner)کے " he states his arguments without a strong basis and with a lack of evidence."[12]کیونکہ دنیا میں بہت سی تہذیبی اور سیاسی نظام موجود ہیں جو کبھی بھی اس سیاسی نظام اور نئی عالمی تہذیب کو قبول نہیں کریں گے جیسے اسلام کی اپنی 14 سوسالہ شاندار تہذیب اور سیاسی نظریہ ہے، چائنا کا اپنا کلچر اور سیاسی نظام ہے، عرب ممالک میں ابھی تک موروثی بادشاہی نظام چل رہا ہے یہ تمام سیاسی نظام نظریاتی طور پر مغربی لبرل ڈیموکریسی کے ساتھ نہ صرف تضاد رکھتے ہیں بلکہ ان ملکوں کی تہذیبیں بھی مغربی تہذیب سے مختلف ہیں۔ مغرب میں رائج بہت سیاسی، سماجی اور اخلاقی اقدار یں این تہذیبوں میں ضد اقدار سمجھی جاتی ہیں۔ لہذااس تہذیبی تضاد کی موجودگی میں ایک عالمی سیاسی، سماجی اور ثقافتی نظام کا قیام ناممکن ہے۔

3۔ تہذیبی ٹکراو(Clash of Civilizations)

؎ سیمیول بھی فوکویاما کی طرح دنیا پر امریکی عالمی حکومت کی آرزو رکھتے ہیں، لیکن وہ اس بات کی طرف متوجہ تھے کہ دنیا میں مغربی تہذیب کے علاوہ اور بھی تہذیبیں ہیں۔ جن میں ایک عالمی حکومت کی تمام تر خصوصیات موجود ہیں یا انکے ہوتے ہوئے مغربی اقداروں پر بنے ہوئے ایک عالمی سماجی نظام کا امکان نہیں اور انکی موجودگی میں امریکا کا عالمی حکومت کا دیرینہ خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہو سکتا۔ لہذا انہوں نے واضح طور پر یہ اعلان کیا کہ آئندہ کی جنگ معاشی یا سیاسی نظاموں کے لیے نہیں ہو گی بلکے تہذیبوں کے درمیان ہو گی۔ یہ میرا قیاس ہے کہ اس نئی دنیا میں تنازعات کا بنیادی ماخذ سیاسی بیانیہ یا معاشی نظریہ نہیں ہو گا۔

؎ سیمیول ہنٹنگٹن نے کیونکہ سیاسی نظریات اور معاشی تنازع کے مقابلے تہذیبی تنازع کو اہمیت دی؟ اس کی وجہ واضح ہے۔ انسانی سماج میں رائج سماجی و اخلاقی اقداریں، انسٹی ٹیوشنز یا اداروں کے مقاصد و قوانین، دوسرے اقوام سے تعلقات کی نوعیت اور ترجیحات کو تہذیب تعین کرتی ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ قومیں تہذیب کے دامن پر ورش پاتی ہیں تہذیب ہی کے سائے میں زندہ رہتی ہیں اور اسی تہذیب کی بدولت اقوام عالم میں پہچانی جاتی ہیں۔ اور جب کسی قوم کی تہذیب مٹ جائے یا اسے مٹا دیا جائے تو وہ قوم خود بخود ہلاک ہو جاتی ہیں چاہے اس کے افراد زندہ و تعداد میں کتنے زیادہ ہی کیوں نا ہوں۔ انکی زمانے میں کوئی شناخت نہیں ہوتی اور نہ ہی اقوام عالم میں ان کا کوئی ذکر ہوتا ہے بلکہ اس متروک یا مغلوب تہذیب کے لوگ نئی تہذیب کا حصہ بن جاتے ہیں۔ ؎ سیمیول نے اس نظریہ کے ذریعے عالمی حکومت کا منصوبہ رکھنے والی طاقتوں کو انکی راہ میں موجود اصل رکاوٹوں کی طرف متوجہ کرنے کے ساتھ ساتھ ان رکاوٹوں کے مصداق کو بھی بیان کیا ہے۔ تاکہ ان حریف طاقتوں کو بھی پہچان لے۔ اس لیے وہ اس پالیسی ساز آرٹیکل میں آگے چل کر بغیر کسی جھجک کہ اسلام اور چائینز تہذیبوں کو مغربی تہذیب کا سب سے بڑا دشمن قرار دیتے ہوئے آئندہ عالمی پالیسیوں کی سمت و سوکا بھی تعین کرتے ہیں[13]۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ اسلامی تہذیب کے ہوتے ہوئے کبھی بھی مغربی لبرل تہذیب کو عالمی تہذیب کے طور پر عالم اسلام پر مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ اس لیے ایک ایسی عالمی پالیسی کی ضرورت ہے جس کے ذریعے دنیا میں مغربی لبرل تہذیب کے رواج کیلیے راہ ہموار کی جائے۔

ان تمام مفروضات اور انکے محکم دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ۔ 2030 ایجنڈا در واقع اس قسم کی عالمی حکومت بنانے کا ایک منظم ایجنڈا ہے۔ جس کے انسانی معاشروں، انکے سیاسی، سماجی، معاشی، عائلی نظاموں اور انکی دینی، سماجی اور اخلاقی اقداروں پر بہت گہرے منفی اثرات ہونگے۔ جس کو مختلف مکاتب، نظاموں کی پیروی کرنے والے ناقدین کے اس پالیسی پر تنقیدیں

جائزوں، شدید رد عمل اور اس دستاویز پر اٹھائے جانے والے اہم علمی و فکری سوالات سے با آسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ لہذا ان کی روشنی میں اس پالیسی کا سنجیدگی سے جائزہ لینا ہمیں ایک ایسی غلط حکمت عملی سے بچا سکتا ہے جس کے اثرات ہماری تہذیب، ریاست اور ہماری آنے والی نسلوں کو کسی بڑے شناختی اور حیثیت کے بحران میں دھکیل سکتا ہے۔

4۔ عالمی طاقتوں کے سیاسی و معاشی ایجنڈے اور 2030 کا باھمی تعلق

انسان غریزی طور پر اپنے آپ سے محبت کرتا ہے، اسی لیے ہر چیز کو اپنی بقاء اور ارتقاء کے لیے استعمال کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی غریزی جذبہ ہی اسکو زندہ رہنے کا عزم عطا کرتا ہے۔ اسی جذبہ کی وجہ سے اپنے آغاز زندگی سے انسان درختوں و حیوانوں کو اپنی خوراک کیلیے استعمال کرنے لگا، انہی کی مدد سے اپنے لیے گرمی و سردی سے بچاؤ کیلئے لباس اور بارش پانی اور درندوں کے حملوں سے بچنے کیلیے کبھی زمین اور کبھی غاروں میں آشیانے بنائے۔ اپنے جنسی سکون کے لیے اپنے ہی ہم ذات سے ملکر (جس میں خداوند نے اسکے لیے کشش بھی رکھی اور اسکی نئی نسل کی تولید و پرورش کی صلاحیت بھی) خاندان کو تشکیل دیا[14]۔ اسطرح خاندان اور قبائل وجود میں آئے۔ وقت گزرنے کے ساتھ انسانی آبادی میں اضافہ ہوتا رہا اور اس میں موجود سیکھنے اور سمجھنے کی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے انسان کے علم و تجربات میں بھی بڑھاوا آتا گیا۔ جس کی بدولت انسان میں موجود دوسروں کو تسخیر کی قابلیت بھی بڑھتی گئی۔ جوں جوں ان تسخیری وسائل میں اضافہ ہوتا گیا دوسروں کو اپنی خدمت کے لیے استعمال کرنے کے اس غریزی جذبہ میں بھی شدت آتی گئی۔ خاندان سے قبیلے، قبیلوں سے قومیں وجود میں آئیں اور ہر مرحلہ میں جو انسان افرادی، وسائل اور علم و تجربہ کے اعتبار سے قوی تھے انہوں نے ضعیفوں کو اپنی ماتحتی میں لینا شروع کر دیا۔ کیونکہ یہ جذبہ ہر انسان میں تھا، اس لیے ان میں ناختم ہونے والا اختلافات اور لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لہذا عدل و انصاف کے ساتھ ہر انسان کے حقوق کی فراہمی اور صلح و امنیت کی برقراری کیلیے قوانین کی ضرورت محسوس کی گئی۔ انسان نے بھی قوانین بنائے اور اسے پہلے خالقِ انسان (جس کو اپنی مخلوخات کی تمام صفاتوں کا بھی پتا تھا اور اسکی ایک سعادت مند زندگی ضروریات کا بھی) نے تمام اعلیٰ انسانی صفات کے حامل انسانوں کو بہ عنوان پیامبر بنا کر بھیجا اور انکے ساتھ انسانی سماج کے لیے قوانین بھی[15]۔ انسان کے بنائے ہوئے قوانین اسکی کم علمی اور خود غرضی اور نسلی و قومی تعصب کی وجہ سے انسانی معاشروں عدل و انصاف فراہم کرنے سے عاجز رہے ہیں۔ اور جب بھی انسانوں نے، انسانی نظاموں کو الہیٰ نظاموں پر ترجیح دی، فرعونی، استبدادی اور استعماری جیسے ظالم نظام وجود میں آئے جن کا صرف ایک ہی مقصد تھا وہ دوسروں کو اپنی غلامی میں لیکر ان سے خدمت لینا۔

عصر حاضر میں علوم کی ترقی، جدید وسائل (Advanced Tools) کی ایجاد اور عالمی اداروں کے قیام نے جہاں انسانیت کی خدمت اور قوموں کے باہمی اختلافات کو حل کرنے کے موقع فراہم کیے، وہاں ہمیشہ کی طرح اسی غریزے کی وجہ سیاسی، معاشی اور ٹیکنالوجی کی قدرت رکھنے والے ملکوں اور ملٹائی نیشنل کمپنیوں کو یہ موقع دیا گیا کہ وہ دوسری ضعیف و کمزور اقوام کو تسخیر کرکے اپنی عزائم کیلئے استعمال کرے۔

لہذا انہیں اپنے معاشی و سیاسی عزائم کی تکمیل کیلیے ایک ایسے عالمی قوانین کی ضرورت تھی جسکے ذریعے قوموں کو ایک پائیدار فکری، سماجی، معاشی تبدیلی کے ذریعے ہمیشہ کیلیے اپنا تابع بنایا جاسکے۔ ایجنڈا 2030 کے مقاصد، اسکے مختلف شعبہ حیات کیلئے بنائے جانے والے قوانین کی ماہیت (Nature) اور اس پر ناقدین کے دلائل - جن کو ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ سب کے سب اس نظریہ کی تصدیق کرتے ہیں۔

5۔ سوفٹ پاور اور اسکے ہتھیار

صحیح سیاسی حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ بین الاقوامی سطح پر ابھرنے والے نئے بیانیوں (New Narratives) اور عالمی اداروں کی جانب سے سیاسی، سماجی، حقوق بشر اور تعلیمی شعبوں میں نئی پالیسیوں کو دنیا میں رونما ہونے والی سیاسی، معاشی تبدیلیوں کے تناظر میں دیکھا جائے اور کسی بھی پالیسی کو اجراء کرنے سے پہلے بیان شدہ وسیع تناظر میں، اسکے ملکی سالمیت، سماجی و معاشی نظام پر پڑھنے والے اثرات کا اندازہ لگایا جائے۔ اور یہ اطمینان حاصل کیا جائے کہ ان کا اجراء ملک و قوم کے وسیع تر مفاد میں ہوگا اور اسکا بہترین طریقہ ایسے موقعوں پر ایک ایسے قومی فورم کی تشکیل ہے جس میں مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والے ماہرین و مفکرین کے زیر نظر اس پالیسی کا کامل جائزہ لیا جاسکے۔

جیسے کہ ہم اس سے پہلی بحث میں بیان کرچکے ہیں کہ انسان غریزی طور پر دوسروں کو اپنی خدمت میں لینا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسانی تاریخ کے آغاز سے قبیلوں اور قوموں کے درمیان طاقت کے حصول اور دوسروں پر تسلط کی خاطر جنگوں کا سلسلہ جاری رہا ہے۔ لیکن ہر دور میں جو بات نئی تھی وہ، جنگی ہتھیار اور حربے تھے۔ اور یہ ایک تاریخی حقیقت اور انسانی سماج کا مسلم قانون ہے جس سے گریز ممکن نہیں۔ اور یہ ہمیں اس بات کی طرف متوجہ کرتا ہے کہ اس بقاء کی جنگ میں کامیابی سے ہمکنار ہونے کیلیے ہمیشہ

ہوشیار رہا جائے۔ عصر جدید کی جنگی حکمت عملیوں (War strategies) اور اسکے ہتھیاروں کو پہچانیں۔ اس سیاق و سباق میں ہم سافٹ پاور کیا ہے ؟ اور اسکے مؤثر ہتھیار کونسے ہیں ؟ بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔

بیسوی صدی کی آخری دو دہایوں بالخصوص 11/9 کے بعد امریکی اور مغربی سیاسی ماہرین ایک جدید عالمی حکمت عملی کی ضرورت کا احساس کر رہے تھے۔ تاکہ دنیا میں آنے والی نئی سیاسی، معاشی اور میڈیا کے شعبہ میں انقلابی تبدیلیوں اور صورتحال (جس میں خود ان مغربی عوام میں امریکی جنگی جنون کے خلاف بڑھتی ہوئی مخالفت، ایشیاء اور عالم اسلام کی نسبت مخاصمانہ (Hostile) اور جنگی پالیسیوں کی وجہ سے امریکہ مخالف جذبات میں شدت اور چین کی تیزی سے ابھرتی ہوئی معاشی طاقت میں اپنی متزلزل عالمی سیادت و قیادت کو برقرار رکھ سکیں۔ اس جدید عالمی نظام کی تشکیل کے لیے دو نسخے تشخیص دیے گئے ایک "لبرل ڈیموکریسی" (Libral Democracy) اور دوسرا "مغربی تہذیب" (Western Civilization) کا فروغ تھا۔ لہٰذا سب نے دیکھا کہ گذشتہ دو، تین دہائیوں میں مغربی مفکرین بالخصوس امریکی ماہرین سیاست، مفکرین اور عالمی انسانی حقوق کی تنظیمیں، اقوام متحدہ جیسے عالمی اداروں (کہ جن پر مغربی حکومتوں کی اجارہ داری اور کامل اثرورسوخ کسی سے چھپا ہوا نہیں) کی جانب سے بین الاقوامی مسائل و مشکلات کے حل کیلئے نئے نئے نظریات، نئی عالمی اسٹریٹیجیز اور پالیسیاں سامنے آئیں۔ ان میں ہر مفکر اور ادارے نے اپنی مہارتوں، شعبہ تحقیق اور اپنے کام کے محدودہ (Limitation) کو سامنے رکھتے ہوئے موجودہ صورتحال کو بہتر بنانے اور انسانیت کی فلاح و بہبود اور ترقی کی بات کی لیکن سب کا اصل مقصد ایک ہی تھا اگرچہ طریقہ کار الگ الگ اور وہ دنیا کی قوموں اور انکے وسائل پر اپنا کامل کنٹرول۔ ان سیاسی حکمت عملیوں اور نظریات میں سب سے زیادہ شہرت جس نظریہ کو ملی وہ ہارورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر اور امریکی وزارت خارجہ سے تعلق رکھنے والے جازف نائی (Joseph Nye) کا "سافٹ پاور کا نظریہ تھا" مسٹر جازف اپنے نظریہ اور اسکے کام کرنے کے طریقے کو اسطرح بیان کیا ہے" نرم طاقت کیا ہے؟ یہ اپنے مقاصد کو لالچ یا دھمکی کہ بجائے جذابیت (Attraction) سے حاصل کرنے کی صلاحیت ہے۔ یہ طاقت کسی ملک کی ثقافت، سیاسی نظریات، اور پالیسیوں سے نشاط پاتی ہے ۔جب ہماری پالیسیاں دوسروں کی نظر میں جائز و مشروع دکھائی دے تو، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری نرم طاقت میں اضافہ ہوا ہے۔ امریکہ کے پاس یہ طاقت ایک طویل عرصہ سے موجود تھی۔ دوسری جنگ عظیم کے اختتام پر یورپ میں فرینکلن روزویلٹ (Franklin Delano Roosevelt) کی چار آزادیوں کے اثرات۔ ریڈیو فری یورپ پر امریکی موسیقی اور خبروں کو شوق سے سننے والے نوجوان؛ تیانمین اسکوائر میں چینی طلباء کی جانب سے مجسمہ آزادی کی نقل تیار کرکے اپنے مظاہروں کی علامت بنانا۔

2001 میں نئے آزاد ہونے والے افغان باشندوں کی طرف سے حقوق کے بل کی کاپی طلب کرنا اور آج جو ایرانی نوجوان آج اپنے گھروں میں چھپ کر امریکی غیر قانونی ویڈیوز اور سیٹلائٹ ٹیلی ویژن کی نشریات کو بڑی دلچسپی سے دیکھتے ہیں یہ سب امریکی سوفٹ پاور کی مثالیں ہیں۔"[16]

اس نظریہ کی روح سے کسی ملک کی ثقافت اور تعلیمی نظام اسکے نرم ہتھیار ہیں۔ جن کی مدد سے کوئی بھی ملک دوسرے ملک میں، دھونس ودھمکی یا طاقت کے استعمال کے بغیر اپنے سیاسی ومعاشی مقاصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ملک عزیز کے تعلیمی اور ثقافتی شعبہ میں امریکا اور عالمی اداروں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی اور مالی و تعلیمی معاونت انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر نہیں ہیں بلکہ حقیقت میں اسی سیاسی ایجنڈے کا تسلسل ہے۔

6۔ایجنڈا 2030 کے اصلی مقاصد، اس میں موجود ابہامات، اس پر اٹھائے والے اعتراضات اور معترضین کے دلائل

خود اس پالیسی کے مقاصد، تشابہہ عبارات (Similar phrases) اور اس پر معتقدین (Believers) کے بیانات کا جائزہ لینے کے بعد، جو نتائج سامنے آتے ہیں، ان کو نکات کی صورت میں اپنے اہل فکر و تدبیر قارئین کے لیے پیش کر رہے ہیں۔

6-1۔ریاستی خود مختاری کے خلاف ایک نئی عالمی سازش

ناقدین کے دلائل اور اعتراضات کا بغور مطالعہ کرنے کی بعد اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ SDGs (Sustainable Development Goals) مقتدر سرمایہ دار طاقتوں کی ایک عالمی حکومت کا مقدمہ ہے، اس لیے مختلف ذی نفوذ اور مقتدر قدرتوں کی جانب سے اس عالمی تحریک کو اپنے مقاصد کیلیے استعمال کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی گئی ہیں۔ فیملی واچ انٹرنیشنل (Family Watch International) کی صدر شارون سلاٹر (Sharon Slaughter) نے اس بات کو صراحت کے ساتھ لکھاہے "یہ کوئی راز نہیں ہے کہ ایس ڈی جیز کے مد نظر اقوام متحدہ کے ممبر ممالک کی سماجی، سیاسی اور معاشی ترقی کے شعبوں میں اپنی من پسند بنیادی تبدیلیاں لانا ہے، جن کے بہت ہی دور رس اثرات مرتب ہونگے۔ اسی وجہ سے، اقوام متحدہ کی ایجنسیاں،

حکومتیں، بین الاقوامی ادارے، بڑے لابنگ گروپس، کاروباری، ارب پتی مخیر حضرات، تعلیمی ادارے، سماجی انصاف کے کارکنان، سول سوسائٹی گروپس، اور دیگر اپنے نظریات کو آگے بڑھانے کے لئے ایس ڈی جی کو تشکیل دینے کی بھرپور کوششیں کررہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں اپنے تمام مالی و علمی اور سیاسی رسوخ استعمال کررہے ہیں جو بہت سے معاملات میں انتہائی متنازع ہیں۔[17] رابرٹ ڈیوڈ اسٹیل(Robert David Steele)یونسیکو(UNESCO)کی غیر جانبداری(Neutrality)کو رد کرتے ہوئے اسکو ایک مخصوص سرمایہ دار طبقہ کا آلہ کار کہتے ہیں۔"اقوام متحدہ کی تعلیمی، سائنسی اور ثقافتی تنظیم (یونیسکو)، اقوام متحدہ کا ایک بے ایمان اور غیر فعال عنصر ہے جو سیکرٹری جنرل کو جوابدہ نہیں ہے، نا ہی انکا خصوصی ایجنسیوں پر کوئی کنٹرول ہے، اس ادارے کو دنیا کے لوگوں کی خدمت کی کوئی فکر نہیں، یہ صرف اپنے مالدار ڈونرز(Doners)کے مفادات کا محافظ ہے۔"تعلیمی نظام پر نظر ثانی کے ذریعے عالمی مسائل میں بہبود و بہتری" ایک پروپیگنڈا دستاویز ہے۔"Humanitarian"کا بیانیہ صرف ایک عالم گیر ہدف تک پہنچنے کا وسیلہ ہے جس کے تحت تمام اقوام عالم کو مغرور طاقتوں کے سہارے کارپوریٹ فاشسٹ ایجنڈے (Corporate Fascist Agenda) میں تبدیل کرنا چاہتا ہے"[18]

6-2 ملکی آئین اور اجرائی قوانین میں اصلاحات کا مطالبہ خطرہ کی گھنٹی

کسی بھی ملک کے آئین اور قوانین میں ایسی اصلاحات کا مطالبہ جس سے اس قوم کی تہذیبی، دینی اور سماجی اقدار کی نفی(Negation of social values)،تضعیف یا تضحیک(Weak or Ridicule) ہوں، اور انکی جگہ نئے سماجی قوانین اور اقدار لے لیں، حقیقت میں ایسی اصلاحات اس ملک کی سالمیت کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ یہ وہ خطرہ ہے جسکا ناقدین نے صراحت کے ساتھ اعلان کیا ہے۔

(SDGs) کے مقاصد کی نوعیت اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ ان قانونی اصلاحات کا مقصد ایسے تمام سماجی، معاشی اور حقوقی قوانین کو تبدیل کرنا ہے جو ہماری اسلامی ثقافت، قومی روایتوں کے پاسدار و پاسبان ہیں۔ اور جن کی وجہ سے ہمارا دینی اور قومی تشخص قائم ہے۔ کیونکہ یہ قوانین ان کے پنہاں مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ہیں لہذا ان کو بہت ہی غیر محسوس طور پر(Imperceptibly)ترقی، حقوق بشر اور برابری اور انتہا پسندی کے خاتمے کا نام پر تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔ محترمہ شارون اپنے تنقیدی جائزہ میں اس 2030 کے مقاصد اور اسے ممالک کے آئینوں(Constitutions)پر پڑنے والے اثرات کو بیان کرتے ہوئے لکھتی ہیں " ایجنڈے کے 17 بنیادی مقاصد اور 169 اہداف ہیں، جنہیں اجتماعی طور پر

"پائیدار ترقیاتی اہداف"(SDGs) (Sustainable Development Goals) کے نام سے جانا جاتا ہے,اس ایجنڈے کے تحت متعدد بلند مقاصد طے کیے گئے جن سے اگلے 15 سالوں میں اقوام متحدہ اور ممبر ریاستوں کی پالیسیاں، پروگرامنگ اور اخراجات چلانے کی توقع کی جاتی ہے۔ ایس ڈی جی کے ذریعے بہت سارے شعبہ حیات میں قانونی اصلاحات لانے کی توقع کی جارہی ہے، اور اربوں ڈالر کی فنڈنگ سے دنیا بھر کے ممالک میں ان کے نفاذ میں مدد ملے گی۔[19]

ملکی آئین میں ایسی تبدیلی جس سے ہماری تہذیبی، ثقافتی اقداریں اور دو قومی نظریہ جو اس مملکت خداداد پاکستان کے وجود میں آنے کا اصلی سبب اور اسکی بقاء کا ضامن ہے غیر قانونی قرار پائے، جس کا مطلب ملکی سالمیت کو خطرہ سے دوچار کرنا ہے۔ یہ اس پالیسی کا سب سے نمایاں منفی پہلو ہے جسے مختلف شعبہ حیات سے تعلق رکھنے والی سیاسی و سماجی شخصیات نے بیان کیا ہے۔ بقول شارون سلاٹر" منفی پہلو میں، ان تصورات کو آگے بڑھانے والے پوشیدہ حوالہ جات پورے 2030 کے ایجنڈے میں بکھرے ہوئے ہیں۔ نیز، اقوام متحدہ کے مذاکرات کے دوران، کنبے کے تحفظ، خاندان کے کردار کو تسلیم کرنے، اپنے بچوں کے حوالے سے والدین کے حقوق اور کردار کو تقویت دینے، اور مذہبی اور ثقافتی اقدار کے احترام کی ترغیب دینے والی دفعات کی شمولیت کے لیے متعدد ممبر ممالک کی جانب سے بار بار مطالبہ کے باوجود مسترد کر دیا گیا تھا"[20]

6-3۔ آزادی کی آڑ میں ریاست کے نظریاتی مخالفین کا تحفظ

آزادی انسان کا فطری حق ہے، جسے اللہ تعالی نے اس کے وجود میں ارادہ جیسی صفت کے ذریعہ رکھا ہے۔ اور ہر مذہب اور آئین میں اس حق کو تسلیم کیا جاتا ہے۔ لیکن کائنات، انسان اور معاشرتی زندگی کے بارے میں بنیادی تصورات میں ایک دوسرے سے اختلاف ہونے کی وجہ سے۔ اسکی حدود ونفوذ کے تعین میں ایک دوسرے سے فرق کرتے ہیں۔ اسلیے ہر ملک میں آزادئ بیان، سیاسی ومذہبی حقوق کی تعریف اور حدود میں فرق ہے۔ اور ریاستی خود مختاری پر قائم عالمی نظام کی بقاء اور عالمی تنازعات سے بچنے کا طریقہ بھی ہے کہ، ریاستی آئین میں مداخلت نا کی جائے اور انکا احترام کیا جائے۔ لیکن 2030 کے کچھ اہداف کا من و عن اجراء ہماری ریاستی سالمیت کیلیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ جسکی ایک مثال اس پالیس کا ہدف نمبر10 و16 ہیں جسکو *"fundamental freedoms"* کا عنوان دیا گیا ہے۔ جسکے مطابق دنیا کے ہر ملک، قومی قانون سازی اور بین الاقوامی معاہدوں کے مطابق معلومات تک عوامی رسائی اور بنیادی آزادیوں کے تحفظ کو یقینی بنائے گا اور ایجنڈا2030 پیراگراف 19 میں ہے کہ: ہم اقوام متحدہ کے میثاق کے موافق، نسل، رنگ، جنس، اور کسی بھی زبان، مذہب، سیاسی یا دوسری رائے، قومی یا معاشرتی اصلیت، املاک، پیدائش، معذوری یا دوسری

حیثیت۔ امتیاز کے بغیر، سب کے لئے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کا احترام، تحفظ اور فروغ دینے کے لئے، تمام ریاستوں کی ذمہ داریوں پر زور دیتے ہیں۔[21]

6-4.اسلامی تہذیب پر کھلی یلغار

ہر ذی شعور اور تہذیبوں کے درمیان فاحش اختلاف اور اسکے کسی بھی آزاد ریاست کی سالمیت پر خطرناک اثرات سے آگاہ انسان اس پالیسی کے مطالعہ کے بعد اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ یہ پالیسی ہماری اسلامی تہذیب اور اخلاقی اقداروں پر یلغار ہے۔"متعدد شرائط جو 2030 کے اقوام متحدہ کے ایجنڈے کے نتائج کی دستاویز میں ظاہر ہوتی ہیں وہ بھی ایسی اصطلاحات ہیں جو عام طور پر ہم جنس پرستوں اور ٹرانس جینڈر (Transgender) حقوق کو آگے بڑھانے کے لئے استعمال کی جاتی ہیں۔ یہ سوچنا بھی غلط نہ ہو گا کہ ان شرائط کا شامل ہونا ریاستہائے متحدہ، یورپی یونین، اور دیگر ممالک کی طرف سے جان بوجھ کر نہیں تھا جن پر جارحانہ طور پر زور دیا گیا تھا، لیکن وہ اس میں شامل ہونے میں ناکام رہے ، ایسی شقیں جو ایس ڈی جی اہداف میں ایل جی بی ٹی (lesbian, gay, bisexual, transgender, queer) کے حقوق کو فروغ دیتی ہیں۔ اور اہداف۔ در حقیقت، امریکہ سمیت متعدد ترقی یافتہ ممالک کے حکومتی رہنماؤں نے اعلان کیا ہے کہ ایل جی بی ٹی کے حقوق کو دوسرے ممالک میں فروغ دینا اولین خارجہ پالیسی کی ترجیح ہے"[22]

6-5۔خاندانی نظام کی تضعیف، جنسی بے راہ روی اور اخلاقی فساد کی قانونی حمایت

اسلامی تہذیب کی بقاء کا ایک اہم راز اسکا مضبوط عائلی نظام اور اخلاقی اقداریں ہیں۔ جسکو اس پالیسی کے ذریعے کامل طور حقوق و تعلیم کے نام پر بے اثر یا نابود کرنے کی کوشش کی گئی ہے،"اقوام متحدہ کی ایس ڈی جی مذاکرات کے دوران رونما ہونے والے

مباحثوں سے یہ بات واضح ہے کہ کچھ ترقی یافتہ ممالک اور اقوام متحدہ کی ایجنسیوں نے ایس ڈی جی کے متعدد اہداف کی ترجمانی کرنے کا ارادہ کیا ہے تاکہ متنازعہ جنسی اور اسقاط حمل کے حقوق، ایل جی بی ٹی حقوق، اور جنسی استحصال کے جامع تعلیم کے حق کو والدین کی آگاہی اور رضامندی کے بغیر اجرا کیا جاسکے۔ لہذا، ریاستوں کو یہ یقینی بنانے کے لئے اقدامات اٹھانا چاہئے کہ SDGs میں ظاہر ہونے والی بہت سی مبہم اور کھلی ہوئی شرائط کو خاندانوں کے لئے نقصان دہ طریقوں سے غلط تشریح نہیں کیا جائے گا، یا اس سے بچوں کی معصومیت کو ختم کیا جائے گا۔[23] مثال کے طور پر، اس پالیسی میں تجویز پیش کی گئی ہے کہ (i) بچوں کے اندر ایل جی بی ٹی کی نسبت مثبت رجحان پیدا کیا جائے (ii) بچوں کو والدین کی رضامندی کے بغیر اسقاط حمل اور (ناجائز اولاد کی) پیدائش کیلیے سہولیات فراہم

کی جائیں (iii) جامع جنسی تعلیم کے نام پر ان میں جنسی بے راہ روی کو رواج دینے پر زور دیا گیا ہے۔ ان تجاویز کا مقصد ایک اسلامی معاشرے کو ایک ایسی راہ پر ڈالنا ہے جسکے بعد ناتو عائلی نظام باقی رہے گا اور نا ہی ہماری اسلامی اور مشرقی اقدار بلکہ معاشرے پر ہوس رانی، شہوت پرستی، بے حیائی کا راج اور لاواث حرام زادے، بے سرپرست بچوں کی بھرمار ہو گی۔ اور جب اس فقیر معاشرے میں کوئی پرورش اور دیکھ بھال کرنے والا نا ہو گا تو یہ بے گناہ معصوم بچے خطرناک مجرم اور سفاک و بے رحم قاتل بن کر معاشرے کے امن کو بھی تہو بالا کریں گے۔

" The World Family Map" کی سال 2017 کی رپورٹ ہمارے اس دعوے کی تصدیق کرتی ہے۔ اس رپورٹ میں ناجائز تعلقات کے بڑھتے ہوئے رجحان اور اسکے نتیجے میں خاندانی نظام اور بچوں کی زندگی پر پڑنے والے منفی اثرات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سروے کے نتائج بہت پریشان کن ہیں۔ اس کے مطابق "اس سال کی تحقیق کا موضوع "ناجائز تعلقات؛ بچوں کی زندگی میں عدم استحکام میں اضافے کا سبب" ہے۔ امریکہ اور 16 یورپی ممالک میں سروے کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ وہ بچے جن کی ولادت والدین میں شادی کے بغیر ہوئی ہوتی ہے۔ 12 سال کی عمر میں انکے والدین ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں جبکہ شادی کے بعد تشکیل پانے والے خاندان کے بچے اس آفت و محرومی سے محفوظ رہتے ہیں۔ 100 ممالک کی بارے میں موجود اطلاعات سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ وہ جن ممالک میں خاندان شادی کے بعد تشکیل پاتے ہیں وہاں کا فیملی سسٹم ان ممالک کی نسبت جہاں لوگ شادی کے بغیر ہی بچے پیدا کرتے ہیں، بہت مستحکم ہے۔ 68 ممالک کے سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ ناجائز جنسی تعلقات کے بڑھتے ہوئے رجحان سے خاندانی نظام کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ شادی اور یا بغیر شادی کے بچوں کی پیدائش کا خاندانی نظام کے استحکام اور بہبود یا عدم استحکام سے گہرا تعلق ہے"[24]

6-6۔ مغربی فلسفہ و نظریہ زندگی کے مطابق ذہنی تربیت

تعلیمی ادارے وہ مقدس مقامات ہیں جہاں سے نئے علمی نظریات کا بیان، نئی ایجادات، نئے اکتشافات، قومی رہنما پروان چڑھتے ہیں اور قومی ثقافت کو پروبال ملتے ہیں۔ لیکن آج ہمارے اکثر تعلیمی ادارے ان خصوصیات سے خالی نظر آتے ہیں۔ یہاں اپنے نہیں غیروں کے نظریات رٹائے جاتے ہیں، نئی ایجاد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے بجائے انہیں دوسروں کی تقلید سکھائی جاتی ہے اور ثقافتی سرگرمیوں کے نام پر انہیں غیروں کی تہذیب میں ڈھالا جاتا ہے۔ آج ہماری یونیورسٹیز سے اچھے سائنسدان یا مفکر نہیں

بلکہ دوسرے کو کارخانوں کو چلانے والے اچھے workersاورLabour پاس آوٹ ہوتے ہیں، جن کا سارا ہم و غم کسی مغربی ملک میں نوکری کی تلاش ہوتا ہے۔

اسکی بنیادی وجہ ہماری تعلیمی پالیسی آزاد نہیں ہے، بلکہ اس پر اغیار کا کنٹرول ہے۔ ہماری نئی نسلوں نے کیا پڑھنا ہے، کیسے پڑھنا ہے، کن اقدار کو اپنانا ہے، خلاصہ ہماری علمی و تہذیبی تقدیر کا فیصلہ ہم نہیں دوسرے کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم آزاد نہیں ہیں، اس میدان میں دوسروں سے پیچھے رہ گئے ہیں۔ ترقی و سرداری آزاد قوموں کا نصیب بنتی ہے۔ جب وہ ایجوکیشن ایجنڈے پر اتنازور دیتے ہیں تو واضح طور پر تو اس کا مطلب یہی ہے کہ ہمارے ملک سمیت دوسرے ممالک پر اپنے نظام کو مسلط کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس ایجنڈے کی ہدایات، سفارشات اور اہم نکات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ تعلیمی نظام طلباء کے افکار کو اس انداز میں تشکیل دے کہ ان کا فلسفہ اور نظریہ زندگی مغربی فلسفہ کے مطابق ڈھل جائے۔

6-7۔ مبہم اور ذو معنی تعبیرات کے ذریعہ متنازعہ مقاصد کا حصول

پالیسی کے اصل محرکین نے اس بات کے پیش نظر کہ اس کی بہت سی پالیساں ریاستوں کے سماجی، سیاسی اور معاشی قوانین کے ساتھ متضاد ہیں۔ اور وہ ریاست پر حکومتی کنٹرول کو کمزور کرتی ہیں۔ جان بوجھ کر ان میں ابہام رکھا ہے اور ایسی اصطلاحات کا استعمال کیا ہے کہ یا تو اس کے مختلف معنیٰ اور تفاسیر کی جاسکتی ہیں یا ان کے معنیٰ میں اتنی وسعت ہے کہ ان کی مدد سے متنازعہ شقوں کو شامل کیا جاسکے۔ جسکا ایک نمونہ "inclusive"اور"inclusion " ہیں۔

یہ الفاظ 2030 کے ایجنڈے میں 40 بار اور خاص طور پر اہداف اور جزئی اہداف میں پانچ بار ظاہر ہوئے ہیں۔ اگرچہ زیادہ تر لوگ "جامع "(Inclusive) کی اصطلاح کو مثبت (Positive) سمجھتے ہیں اور کسی گروہ کو ترقی سے باز نہیں رکھنا چاہتے ہیں، لیکن یہ اصطلاح ایل جی بی ٹی(LBGT) کے حقوق کو فروغ دینے کے لئے بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اس نکتے کی وضاحت کے لئے اقوام متحدہ کی ایجنسیوں اور دیگر اداروں کی درج ذیل مثالوں پر غور کریں: "ایل جی بی ٹی انکلوژن اور معاشی ترقی کے مابین تعلقات (The relationship between LGBT inclusion and economic development)،" کے عنوان سے یو ایس ایڈ(USAID- U.S. Agency for International Development) کی 2014 کی ایک رپورٹ،"، ہم جنس پرست، لیسبین اور ٹرانس جینڈر کے سماجی شمولیت کی وجہ سے 39 ممالک میں معاشی ترقی پر پڑنے والے اثرات کا تجزیہ کرتی ہے۔[25]

(GLSEN- Gay, Lesbian and Straight Education Network)، ریاستہائے متحدہ میں ایک بڑی ایل جی بی ٹی رائٹس آرگنائزیشن کے پاس، "ایل جی بی ٹی انکلوژن کلاس روم وسائل تیار کرنا"، کے عنوان سے ایک اشاعت ہے، جو "تمام طلباء کے لئے جامع اور تصدیق نصاب" کے بہترین طریقوں کی فراہمی کرتی ہے۔ اسباق میں "گے، ہم جنس پرست، لیسبیین اور ٹرانسجینڈر (ایل جی بی ٹی) لوگوں، تاریخ اور واقعات کی مثبت نمائندگی شامل ہیں" اور طلباء کو "ایل جی بی ٹی - جامع نصاب" کی نمائش کرتے ہیں۔

ورلڈ بینک کی اس رپورٹ کے صفحہ 70 کے عنوان سے جن میں "شمولیت کے معاملات: مشترکہ خوشحالی کی فاؤنڈیشن" لکھا گیا ہے کہ "ہم جنس پرست، بایوسیکس اور ٹرانس جینڈر (ایل جی بی ٹی) افراد کو بہت سے، اگر زیادہ تر نہیں تو، ثقافتوں میں خارج کرنے کا نشانہ بنایا گیا ہے۔" اس رپورٹ کے صفحہ indicates میں اشارہ کیا گیا ہے، "کچھ شناختوں کو جنہیں کچھ عشروں قبل سماجی خارج یا شمولیت کے ذرائع کے طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تھا آج بھی ایسی ہی شناخت ہے۔"[26]

6-8۔ دوہرے معیار کی سیاست

اقوام متحدہ کی 75 سالہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس عالمی ادارے اور اسکی پالیسیوں پر ہمیشہ مقتدر قوتوں کا اثرورسوخ رہا ہے۔ اور انہوں نے اس کو اپنے مقاصد کیلیے استعمال کیا ہے۔ چاہیے مسئلہ کشمیر ہو یا فلسطین کی آزادی یا بوسنیا اور رنگون میں مسلمانوں کی نسل کشی یا موجودہ حالات میں بھارتی مسلمانوں کے خلاف ریاستی سرپرستی میں مذہبی استحصال اور انکو انکے بنیادی انسانی حقوق سے بیدخلی کا مسئلہ۔ ایسے موقع پر اقوام متحدہ اور عالمی طاقتیں مجرمانہ خاموشی اختیار کرتی ہیں۔ لیکن جب اسلامی ممالک کی بات آتی ہے تو، ہمارے کسی بھی داخلی مسائل میں مداخلت اور ریاستی و تہذیبی اقداروں کو نقصان پہنچانے والے عناصر اور پالیسیوں کی شدت سے حمایت کرتے ہیں۔ ہمارے آئین سے لیکر، تعلیمی نظام میں بنیادی تبدیلی کا مطالبہ کرتے ہیں اور اس کیلیے عالمی اداروں کے زریعے حکومتوں پر سیاسی و معاشی دباوڈالا جاتا ہے۔ اور ہماری حکومتوں کی طرف سے اپنے موقف میں کوئی خاطر خواہ حرکت نظر نھی آتی جبکہ ہمارے پڑوسی ملک بھارت کی حکومت اپنے قومی ومذہبی مفادات کی حفاظت کیلیئے

کسی عالمی دباو میں نہیں آتی اور کسی بھی عالمی اداروں کے قوانین اور ایجنڈوں کی پرواہ نہیں کرتی۔ اس وقت عملی طور پر نریندر مودی نے پوری دنیا کو آگے لگا رکھا ہے اور سارے عالمی متوقع ردعمل کو جوتے کی نوک پر رکھتے ہوئے جو کرنا تھا کر لیا ہے اور ابھی جو کرنا ہے وہ بھی کر گزرے گا۔ بھارتی پارلیمنٹ میں اس کی مختصر سی تقریر بھارت کے مستقبل کا سارا منظر نامہ واضح کر رہی ہے۔

ادہر دہلی، جہاں یہ سب کچھ پوری شدت سے ہو رہا ہے۔ امریکہ، مغرب، یورپ، ایمنسٹی انٹر نیشنل، انسانی حقوق کی تنظیمیں اور اقوام متحدہ سب خاموش ہیں۔

بھارتی پارلیمنٹ میں مودی نے کہا "ہندوستان میں رہنا ہے تو ہندوؤں کی طرح رہو۔ کوئی اقلیت، خواہ وہ کہیں سے بھی ہو' اگر وہ ہندوستان میں رہنا چاہتی ہے، یہاں کام کرنا چاہتی ہے، یہاں کھانا پینا چاہتی ہے 'تو پھر اسے ہندوستانی زبان بولنی ہو گی' ہندی، گجراتی، پنجابی، بنگالی اور جنوبی ہندوستان کی زبانیں بولنا ہوں گی اور ہندوستان کے قوانین کا احترام کرنا ہو گا۔ اگر انہیں شریعت کے مطابق قوانین پسند ہیں اور وہ مسلمانوں والی زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو ہم انہیں آگاہ کر رہے ہیں کہ ایسا کرنے کے لیے انہیں چاہیئے کہ وہ وہاں چلے جائیں جہاں کی ریاستیں انہیں یہ سہولت فراہم کر سکتی ہوں۔

ہندوستان کو مسلم اقلیت کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ ان اقلیتوں کو بھارت کی ضرورت ہے لیکن ہم انہیں کوئی خصوصی رعایت دینے کے لیے تیار نہیں۔ ہم انہیں اس بات کی قطعی اجازت نہیں دیں گے کہ وہ ہمارے قوانین میں اپنی مرضی کے مطابق تبدیلیوں کا مطالبہ کریں۔ ہمیں اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کتنی بلند آواز میں شور و غل کرتے ہیں اور نسلی و مذہبی امتیاز کے بارے میں آواز بلند کرتے ہیں۔ ہم اپنی ہندوویدک تہذیب کی بے عزتی اور بے ادبی کو کسی صورت معاف نہیں کریں گے۔۔۔

جب معزز قانون ساز اسمبلی نئے قوانین وضع کرے تو اس کے ذہن میں ہونا چاہیئے کہ بھارت کا قومی مفاد ہر شے پر مقدم ہو اور وہ یہ بات ان کے پیش نظر رہنی چاہیئے کہ مسلم اقلیت کا تعلق بھارت سے نہیں ہے"[27]

بھارتی وزیر اعظم کی اس تقریر نے عالمی طاقتوں اور اداروں کی دوہری سیاست سے پردہ ہٹا دیا ہے۔ اور اس میں ہمارے حکمرانوں کے لیے بھی پیغام ہے کہ وہ اپنے کسی قومی اور تہذیبی مسائل میں بیرونی دباو کو قبول نہ کرے۔ اور کوئی بھی ایسی پالیسی جو اس کے لیے خطرناک ہوں اسے اپنے تہذیبی و قومی مفاد میں رد کر دے۔

6-9۔ حکومت، قانونی ماہرین اور متعلقہ اداروں کی زمہ داری

متنقدین سب نے اپنی اپنی تقاریر اور تنقیدی جائزہ میں اس بات کی تاکید کی ہے: تعلیمی، سماجی و قانونی ماہرین اور والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس ایجنڈے میں ملکی خود مختاری، قومی سالمیت، اعلی انسانی و اخلاقی اقداروں، عائلی نظام اور بچوں کو درپیش مخفی اور بکھرے ہوئے خطرات کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے اس کی روک تھام کیلئے مناسب راہِ عمل پیش کرے۔ اور اپنے معاشرتی، تہذیبی

تقاضوں اور عصری ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے ایک مناسب اور جامع تعلیمی پالیسی پیش کرے اور دوسروں کو اس بات کی ہرگز اجازت نہ دے کہ وہ اپنی مرضی سے انکے سیاسی، معاشی اور سماجی امور اور آنے والی نسلوں کے بارے میں فیصلے کرے۔

6-10۔ اپنی خود مختاری اور آزادی کی حفاظت ضروری ہے

اقوام متحدہ کے 2030 کا ایجنڈا ممبر ممالک کے لئے لازمی نہیں ،یعنی حکوتیں اس کو من و عن اجراء کرنے کی پابند نہیں (ہمارے خیال میں یہ واحد قانونی راہ ہے جس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اس کو استعمال کرتے ہوئے، اس ایجنڈہ سے کامل طور پر کنارہ کشی کرنی چاہیے تاکہ اس کے مضرات سے بچا جاسکے)۔ بہر حال، اسکو عملی کرنے کی صورت میں ملکی قوانین اور پالیسیوں پر گہرا اثر پڑے گا کیونکہ اس کے بہت سے مقاصد میں قومی قانون سازی میں قانونی اور قومی پالیسیوں میں تبدیلی لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

تحریر:سید ہاشم رضا عابدی

حوالہ جات:

---

[1] . Samuel P. Huntington," The Clash of Civilization?" Foreign Affairs, Vol. 72, No. 3 (Summer, 1993), pp. 23.

[2] ۔ محمد حسین، طباطبائی، المیزان فی تفسیر القران، تھران، دارالکتب الاسلامیہ ج4، صفحہ 106۔

[3] ۔ سید رضی، نھج البلاغہ، ترجمہ سید زیشان حیدر جوادی(امام حسین فاؤنڈیشن)17-http://alhassanain.org/urdu/?com=book&id=399

[4] ۔ سورہ آل عمران، آیہ110۔

[5] . Kenneth R. Conklin," EDUCATION TRANSMITS A CULTURE" plus a quick look at the separatist agenda of some Native Hawaiian education initiatives) (c) Copyright

2002 - 2004,
http://www.angelfire.com/hi2/hawaiiansovereignty/edtransmitsculture.html

[6] . KNOWLEDGE AND CURRICULUM, BHARATHIDASAN UNIVERSITY TIRUCHIRAPPALLI – 620 024.page no 28.

[7] ۔ سورہ انعام، آیہ نمبر153۔

[8] -http://jamileh.alamolhoda.com/

[9] - Huntington , The Clash of Civilizations , pp. 22

[10] Joanna Davidson, "Humanitarian Intervention as Liberal Imperialism: A Force for Good?", POLIS Journal Vol. 7, Summer 2012 ISSN 2047-7651.page no.129.

[11] . Davutoglu, Ahmet, "The Clash of Interests: An Explanation of the World (Dis)order", Perceptions, December 97-February98, p.92.

[12] . [12] Selcen oner , A BRIEF ANALYSIS OF FUKUYAMA'S THESIS "THE END OF HISTORY?" page no 9.
https://archive.org/details/THEENDOFHISTORYBySelcenONER/page/n5/mode/2up

[13] - Huntington , The Clash of Civilizations , pp. 26.

[14] حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القران، 2-116۔

[15] ۔ (پہلے) سب انسان ایک ہی دین (فطرت) پر تھے، (پھر جب ان میں باہمی اختلاف پیدا ہوئے) تو خدا نے انبیاء بھیجے۔ (جو نیکو کاروں کو) خوشخبری دینے والے (اور بدکاروں) کو ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی (جس میں قانون تھا)۔ تاکہ لوگوں کے اختلاف کا فیصلہ کرے اور یہ اختلاف انہی لوگوں نے کیا جن کو وہ (کتاب) دی گئی تھی اور وہ بھی تب کہ جب کھلی ہوئی دلیلیں ان کے سامنے آچکی تھیں۔ محض بغاوت اور زیادتی کی بناپر۔ تو خدا نے اپنے حکم سے ایمان والوں کو ان اختلافی باتوں میں راہِ حق کی طرف راہنمائی فرمائی۔ اور خدا جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرماتا ہے۔ سورہ بقرہ، آیہ 213۔

[16] Nye, Jr., Joseph S. "Soft Power" The means to success in world politics, New York: Public Affairs, 2004,page no 9.

[17]. Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA, the Hidden Threats to Life, Family, and Children. page no.4. FamilyWatchInternational.org

[18] . *Robert David Steele, "USESCO's 2030 document seeks to make children slaves of the hegemon" May 15,2015.*
http://english.khamenei.ir/news/4818/UNESCO-s-2030-document-seeks-to-make-children-slaves-of-the-hegemon.

[19] . Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA, page no. 5

---

[20] . https://www.usaid.gov/sites/default/files/documents/15396/lgbt-inclusion-and-development-november-2014.pdf.

[21] . Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA, page no. 5

[22] Ibid.

[23].ibid.

[24] . https://worldfamilymap.ifstudies.org/2017/files/WFM-2017-FullReport.pdf page no. 20.

[25] . https://www.usaid.gov/sites/default/files/documents/15396/lgbt-inclusion-and-development-november-2014.pdf

[26] . Sharon Slater, AN ANALYSIS OF THE UN 2030 SUSTAINABLE DEVELOPMENT AGENDA, page no 10.

[27] - منافقت-خالد مسعود خان، https://daleel.pk/2020/03/01/131374